

# دورۂ ترکی کے مشاہدات

از جناب خلیل حامدی صاحب

(۱۱)

جماعت کے ٹریچر کی اشاعت کے سلسلے میں صالح اوزجان صاحب نے یہ واقعہ بھی سنایا کہ جب میں نے ”اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے“ پمفلٹ شائع کیا تو ریٹے کر چکا تھا کہ اگر اس کی خاطر جیل بھی جانا پڑے تو دریغ نہ کروں گا۔ اس غمِ صمیم کے ساتھ میں نے پوری احتیاطی تدابیر کے ساتھ یہ پمفلٹ چھاپ کر تقسیم کر دیا۔ چھ ماہ بعد ترکی کے اٹارنی جنرل کے علم میں جب یہ پمفلٹ آیا تو اس نے ایک تقریب کے موقع پر مجھ سے کہا، صالح، اگر چھ ماہ کے اندر اندر یہ پمفلٹ میرے ہاتھ لگ جاتا تو میں اسے ضرور ضبط کر دیتا، مگر ترکی قانون کی رو سے اگر کسی مطبوعہ چیز کو چھ ماہ گزر جائے تو وہ قانون کی رو سے باہر ہو جاتا ہے۔

لے صالح اوزجان کے خلاف مقدمات کا ذکر پچھلی قسط میں ہو چکا ہے۔ اب بیروت کے مفت روزہ اشہاب سے ان پر مقدمات کی تازہ تفصیل ملی ہے۔ اشہاب لکھتا ہے، صالح اوزجان پر ایک مقدمہ استنبول میں اور دوسرا انقرہ میں چل رہا ہے۔ ان پر الزام یہ ہے کہ انہوں نے سید قطب کی کتاب ”المتقبل لهذا الدین“ (اس دین کا مستقبل) کا ترکی ترجمہ شائع کیا ہے اور اس میں ایک مذہبی ریاست قائم کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ اس وقت کورٹ آف اپیل میں ہے۔ نجلی عدالت سے صالح اوزجان کے خلاف فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ جس کی رو سے انہیں چھ ماہ قید اور چھ ماہ کی جینکس کے مقام پر جلا وطنی کی سزا سنائی گئی ہے۔ جینکس انقرہ سے ۶۰ میل دور ہے۔ ان کے خلاف اور بھی متعدد مقدمات چل رہے ہیں۔ ایک مورانا مورودی کا چودہ صد سالہ حسین قرآن سے متعلق ایک پیغام چھاپنے پر اور مورانا مورودی کی کتاب ”الجمہورانی سبیل“ اور سید قطب کا ”الجمہور کے عنوان پر ایک مضمون“ چھاپنے کی وجہ سے (اشہاب یکم دسمبر ۱۹۶۹ء)۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موعود کو تابت قدم اور برتر نواز رکھے۔

افکار نوری | بدیع الزماں نوری مرحوم صالح اوزجان سے بڑا مشفقانہ برتاؤ رکھتے تھے۔ ان کے جذبہ و جہاد کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے تھے۔ صالح اوزجان نے نوری مرحوم کو منہاج الانقلاب الاسلامی (اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے) کا عربی ترجمہ، پڑھ کر سنائی۔ مرحوم نے اسے بلا استیعاب سن کر فرمایا: یہ کتاب میرے خیالات کی صحیح ترجمانی کرتی ہے۔ اسے خوب پھیلاؤ۔ چنانچہ طلبائے نور اسے نہایت اہتمام سے پڑھنے میں۔ صالح اوزجان کے بیان کے مطابق یہ کتاب طلبائے نور کا دستور العمل ہے۔ بدیع الزماں نوری مرحوم کے شاگردان سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ مرحوم کے مواعظ اور مقولے ان کے نوک زبان رہتے ہیں۔ صالح اوزجان نے مجھے مرحوم کے بے شمار شذرات سنائے، جن میں سے چند ایک ابھی تک میرے ذہن میں گونج رہے ہیں:

- دین زندگی کی روح، اس کا نور اور اس کی بنیاد ہے۔

- ملت اسلامی کا احیاء دین کے احیاء کے بغیر نہ ہو سکے گا۔

- یہ دور مریض ہے، یہ انسان مریض ہے، اس کا علاج قرآن کریم کا اتباع ہے۔

- تفرقہ قبیلہ کے اتحاد سے دور ہو سکتا ہے اور قبیلہ قرآن ہے۔

- یہ زمانہ طرقت کا زمانہ نہیں ہے بلکہ حقیقت کا زمانہ ہے، اور حقیقت تمام تر قرآن و سنت میں موجود ہے۔

- عہد حاضر کی تمام صحیح اسلامی تحریکیں ہماری جماعت ہیں۔ ہم میں اور ان میں صرف طریقی کار کا فرق ہے۔ فرد فنا ہو جائے گا تحریک باقی رہے گی۔

- شخصیت پرستی سے بچو شخصیت تودہ برف ہے۔ اس تودے کو جماعت کے حوض میں ڈال دو تاکہ سارا حوض اُس کی صفت سے متصف ہو جائے۔

- اگر یک جہتی اور مساوات ہو تو ایک کا ہندسہ تین مرتبہ برابر لکھنے سے ۱۱۱ بن جاتا ہے اور چار کا ہندسہ

چار مرتبہ برابر لکھنے سے ۴۴۴ بن جاتا ہے۔ لیکن اگر چار کے ہندسے کو چار مرتبہ نیچے اوپر کر کے لکھا جائے تو یہ چار صرف ۱۶ بن کر رہ جائیں گے۔ جب کہ پہلی صورت میں یہ چار ہزار چار سو چوبیس تھے پہلی صورت

یک جہتی اور ہم آہنگی اور ہمقدمی سے پیدا ہوتی ہے اور دوسری ادنیٰ نیچ سے۔

۔ اگر آپ اپنے بھائی کو بات کرنے کا موقع دیں گے تو آپ خود بھی لذت اندوز ہوں گے۔

۔ رفیقو، شہگامہ پرور نہ جو بلکہ انہام و تفہیم کو شعار بناؤ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تفہیم

کے ذریعہ یہ عظیم انقلاب برپا کیا تھا۔

۔ دارالتم ذہ پہلا مدرسہ تھا جس میں چرواہے، ساہبان اور غلام داخل ہوتے اور دنیا کے قائد

بن کر نکلے۔ یہ تعلیمی طریقہ کار کا کرشمہ تھا۔

میں نے صالح اوزجان سے کہا کہ آپ لوگوں کا فرض ہے کہ نوری مرحوم کی تعلیمات کو دوسری زبانوں میں منتقل کریں اور عالم اسلامی کی دوسری اسلامی تحریکوں کو بھی ان سے روشناس کرائیں۔ جواب ملا کہ ہم مولانا محترم کی تعلیمات کو ترکی میں عام کر رہے ہیں، آپ نوری کے افکار سے اہل پاکستان کو متعارف کرائیں۔ میں چُپ ہو گیا کہ جواب تو خوب ہے مگر ع زبان یا من ترکی و من ترکی نمی دانم۔

سفر قونیہ | آج دل کی قدیم آرزو پوری ہو رہی ہے۔ ثنوی مولانا روم بڑی عقیدت و شہینگی سے پڑھی تھی۔

”بشو از نے چون حکایت میکند“ میں اپنی ہی فطرت کی صدا سنانی دیتی تھی ناشتہ کے دوران صالح اوزجان

نے تجویز کر دیا کہ میں مولانا رومی کے شہر قونیہ جاؤں۔ وہاں طلبائے نور کا نہایت مضبوط مرکز ہے ان سے

ملاقات مفید رہے گی۔ صالح اوزجان نے بیلغیون سے قونیہ کے ایک ذمہ دار رفیق کو میری آمد کی

اطلاع کر دی۔ مکان سے باہر نکلے تو بوند باندی ہو رہی تھی۔ سردی گوشت اختیار کر چکی تھی مگر لطف

آميز ہو رہی تھی۔ سفر بذریعہ بس تھا۔ مگر پریشانی اس لیے نہ تھی کہ ترکی بسوں کو اندر سے گرم رکھا جاتا ہے

اور سیٹیں ریزو ہوتی ہیں۔ صالح اوزجان کے دو ساتھی مٹر کمال الدین اور محمد نجاتی میرے رفیق سفر تھے۔

اول الذکر انگریزی خوب جانتے ہیں اور ثانی الذکر عربی میں گفتگو کر لیتے ہیں۔ دونوں نوری تحریک کے

شیدائی ہیں، اور بڑے متحرک و سرگرم کارکن ہیں۔

ترکی میں چار شہروں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ انقرہ، استنبول، بورصہ اور قونیہ۔ استنبول کی

فتح سے پہلے عثمانیوں کا دار الحکومت بؤرسہ تھا۔ اور قونیہ سلاجقہ روم کا دار الحکومت تھا۔ انقرہ

سے قونیہ ۱۵۶ میل ہے۔ تاریخ کا یہ عجیب فیصلہ ہے کہ قونیہ سلاجقہ روم کی عظیم سلطنت کا تین سو سال (۱۰۷۱ء تا ۱۳۰۰ء) تک مرکز رہا مگر آج اُس کی شہرت مشعورین قلیچ ارسلان کی وجہ سے نہیں جس نے قونیہ کو سلجوقیوں کا دار الحکومت بنایا، نہ غیاث الدین کہنسر و اول کی وجہ سے ہے جس نے بازنطینیوں سے کامیاب جنگیں لڑ کر انطاکیہ کو قلمرو اسلام میں شامل کر لیا، اور نہ عزالدین کیکاؤس اور علاء الدین کی قیقاہ کی بدولت ہے جن کا دور حکمرانی سلاجقہ روم کا سنہری زمانہ کہلاتا ہے بلکہ اُس کی شہرت ایک وقتی پوش اور بوریا نشین صوفی جلال الدین رومی کی وجہ سے ہے جس کا مزار آج بھی قونیہ میں مرجع خلائق ہے اور رومی کی عظمت و رفعت کا دنیا کے اندر صدیوں سے نقش ثبت کر رہا ہے۔

ہرگز نیر و آنکہ و شش زندہ شد بعشق

ثبت است بر حسب ریدہ عالم دوام ما

راستے کے مناظر ابارش نہ ہوتی تو ہم انقرہ سے قونیہ تین گھنٹوں میں پہنچ جاتے۔ ٹرک بہت عمدہ ہے جو ۱۹۳۹ء تک موجود نہ تھی۔ ترکی ڈرائیور اُس رفتار کی اہتمام سے پابندی کرتا رہا جو ٹرک کے کنارے جگہ جگہ تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔ جڈہ اور مکہ یا ریاض اور طائف کے درمیان سفر کرتے وقت سو سو کیلو میٹر بھی گزر جائیں تو آبادی نہیں ملتی۔ مگر ترکی آباد ملک ہے۔ قونیہ کے راستے میں جگہ جگہ آبادیاں ہیں، انسانوں کی آمد و رفت ہے، طعام لگا ہیں اور تفریح لگا ہیں، سیاحوں کے خیمے اور استراحت کے ہوٹل ہیں، کچھ ڈوڑھک طویل پہاڑی سلسلہ ملے گا جس کے دامن شاداب اور سبز پوش ہیں۔ کھیت اور باغات ہیں۔ کلمہ کوہ کو دیکھیں تو وہ برف کی سفید چادر اور بھے ہوئے ہے اور دامن کوہ پر نظر ڈالیں تو کھیتوں کی سبز خوش رنگ چادر بچھی ہوئی شکر پھرا سے لہے ہوئے ٹرک بار بار بھاری بس سے آگے نکلنے۔ ٹرک شکر پھرا سے چینی پیدا کرنے میں اور یہ ٹرک چینی کے کارخانوں کی طرف جا رہے ہیں۔ کمالی دور میں زراعت پر جو غیر معمولی توجہ دی گئی تھی اور جنگلات کی افزائش کی جو زبردست تحریک چلائی گئی تھی وہ اب بھی برق رفتار سے جاری ہے۔ زراعت کی موجودہ ترقی میں مشینی آلات کو ذہل حاصل ہے یہ بھاری بھر کم امریکی اور فرانسیسی ٹریکٹر جو ٹرک کے ارد گرد چلتے نظر آتے ہیں عثمانیوں کے دور میں نہ تھے۔

راستے میں ہم اناطولیہ کے "قلب مُردہ" میں سے گزرتے ہیں۔ پھر اک کھاری پانی کی جھیل آتی ہے جسے ترغولہ کہتے ہیں اس میں سے نمک بھی نکالا جاتا ہے۔

ترک خانم | اپنے ترک دوستوں سے استنبول اور انقرہ میں یہ سن چکا تھا کہ ترکی کی دیہاتی عورت بڑی خوبوں کی مالک ہے۔ انقرہ اور قونیہ کے دیہات میں وسط ایشیا سے آنے والے ترکوں کا خالص خون موجود ہے۔ ترکی کی دیہاتی عورت ابھی تک وہی ڈھیلا ڈھالا اور تہ بہ تہ لباس پہنتی ہے جو وہ صدیوں سے پہنتی چلی آ رہی ہے۔ اُس کا صرف چہرہ اور ہاتھ ننگے ہوں گے مگر جب وہ غیر مرد کا سامنا کرے گی تو منہ چھپا لگی یا دوسری طرف پھیرے گی۔ اس کا لباس کاشت یا کٹائی میں مردوں سے تعاون کرنے میں حائل نہیں ہوتا۔ راستے میں ایک مقام پر بس کھڑی ہو گئی۔ باہر ترک عورتوں کا ایک گروہ کسی کام کے سلسلے میں جمع تھا۔ سب نے ایک سا لباس پہن رکھا تھا۔ بعض عورتوں نے چہروں کے اوپر بھی ایسا سیاہ رومال باندھ رکھا تھا جس سے صورت آنکھیں نظر آتی تھیں۔ میں نے مسٹر کمال الدین سے پوچھا کہ یہ لباس سن رسیدہ عورتیں ہی پہنتی ہیں یا جوان لڑکیاں بھی۔ مسٹر کمال الدین نے بتایا کہ اکثر نوجوان لڑکیاں بھی اسی لباس کی پابندی کرتی ہیں۔ مگر قصبوں میں رہنے والی لڑکیاں اسکوٹ پہنتی ہیں اور جی میں آتے تو سر پر ایک رومال باندھ لیتی ہیں۔ مسٹر کمال الدین نے بتایا کہ مصطفیٰ کمال کی یہ "اصلاح" کہ عورتیں حجاب ترک کر دیں شہروں اور قصبوں تک محدود رہی۔ اناطولیہ (اناضول) کی دیہاتی آبادیاں اس سے متاثر نہیں ہو سکیں۔ دیہات کے لوگ جب شہروں میں آتے ہیں تو وہ عورتوں کے عریاں اور نیم عریاں لباس دیکھ کر سخت چین بچیں ہوتے ہیں۔ مسٹر کمال نے بتایا کہ ان کے ایک عزیز انقرہ آئے، اور دو روز بمشکل گزارنے کے بعد واپس گاؤں چلے گئے۔ کیونکہ انہیں یہ خوف لاحق ہوا کہ انقرہ کی عریانی خدا کے غضب کو دعوت دے کر رہے گی۔ مسٹر کمال الدین کے بیان کردہ حجابی نمونے راستہ بھر نظر آتے رہے۔ دیہاتی عورت کے بارے میں مجموعی طور پر یہی تاثر قائم ہوا کہ یہ فی الواقع موسم کی ناک نہیں ہے۔ قانون کے ذریعے اسے بے نقاب کرنے والے شکست کھا گئے ہیں مگر اس نے شکست نہیں کھائی۔ ترک دیہاتی عورت کے اندر یہ احساس بہت گہرا ہے کہ وہ ترکمان ہے۔ اس کے اسلاف وسط ایشیا سے اٹھ کر یہاں آئے اور حکومت کرتے رہے ہیں۔ اس کے آباؤ اجداد نے بازنطینی طاقتوں کو سزنگوں کیا ہے۔ صلیبی حملہ آوروں کا منہ توڑا ہے۔ وہ غازی عثمان

کی بیٹی ہے۔ وہ آل سلجوق کی نشانی ہے۔ وہ اس قوم سے تعلق رکھتی ہے جس نے یورپ اور ایشیا کے بہت بڑے حصہ پر حکومت کی ہے۔ اور کسی بیرونی طاقت کی غلامی اُس نے نہیں کی۔ وہ آج بھی اس کوشش میں لگی ہوئی ہے کہ اپنے قومی اور نسلی خصائل و عادات کو بچوں کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرے۔

عمامہ۔ ٹوپی اور سیٹ | ۲۵۔ ۵۰ برس کا ایک ترک میرے پاس آکر بیٹھ گیا۔ میرے سامنے پھلی سیٹوں پر اپنے بعض جاننے والوں کے پاس چلے گئے۔ ترک نے اپنی زبان میں نکاتار اظہار خیال کرنا شروع کر دیا۔ اور یہ دیکھ کر کہ میں اس کی بات کو نہیں سمجھ رہا ہوں اُس نے اشاروں سے باتیں شروع کر دیں۔ کسی قصبے کا معمولی پڑھا لکھا معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے میری ٹوپی (سیاہ رنگ کی قراقلی) اتار لی اور اپنے سر پر رکھی۔ اور بڑی خوشی کا اظہار کیا اور میری ٹوپی کو خوب داد دی۔ پھر میری گرم شیردانی کو بھی "عقیدت" سے چھونے لگا۔ یہاں تک تو میں یہ سمجھا کہ وہ مجھے یہ بتانا چاہتا ہے کہ پاکستان کا لباس اُسے پسند ہے یا اُسے ایسی ٹوپی اور شیردانی درکار ہے۔ مگر اس ایجابی انداز کے بعد اُس نے اب سلیبی اسلوب بھی اختیار کیا۔ اُس نے اپنی کنارہ دار فوجی طرز کی ٹوپی سر سے اتاری اور اُسے بڑی غضب آلود نگاہوں کے ساتھ ہاتھوں میں مسلنے لگا۔ اُس کے ٹوپی کو بار بار جھینکنے سے میں سمجھ گیا کہ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ یہ سر پوش جو ہمارے سروں پر جبراً ٹھونسا گیا ہے یہ اُسے سخت ناپسند ہے اور اُس کا بس چلے تو آج ہی اسے ترکی سے دیس نکالا دے دے۔ میں نے دیکھا کہ کوئی ترک مسجد کے اندر سر پوش (خواہ وہ ہیٹ ہو یا کپڑے کی فوجی ٹوپی) لے کر نہیں جاتا۔ بلکہ اُسے مسجد کے دروازے پر محافظ کے حوالے کر دے گا اور نماز کے لیے سر پر سبز رنگ کی کپڑے کی بنی ہوئی ٹوپی اوڑھ لے گا۔ ایک مرتبہ انقرہ میں ایک صاحب سر پوش سمیت مسجد میں داخل ہو گئے۔ اس پر محمد نجاتی صاحب نے (جو میرے رفیق سفر ہیں) بڑا واویلہ کیا۔ میں نے کہا یہ معمولی بات ہے۔ کہنے لگے جسے آپ معمولی سمجھتے ہیں وہ ہمارے ہاں کا بڑا نازک مسئلہ ہے۔ ترکی میں سر پوش کا ایک تاریخی پس منظر ہے۔ غازی ادرخان (غازی عثمان خاں کے لڑکے) نے مجاہدین کی ایک خصوصی فوج تیار کی اور اپنے عہد کے ایک صوفی بزرگ شیخ بکتاش سے درخواست کی کہ وہ مجاہدین کی اس فوج کے لیے دُعا فرمائیں۔ شیخ بکتاش نے پہلے دُعا مانگی اور پھر اپنی ڈھیلی ڈھالی آستین ایک سپاہی کے سر پر ڈالی اور فرمایا: "اس فوج کا نام شکنتی چری (زٹی فوج) رکھا جائے۔ خدا اس فوج کو سُرخ رو رکھے، اس کے بازو

مضبوط، اس کی شمشیر قاطع اور اس کے نیزے پُر کار رہیں۔ اور یہ کامیاب و کامران لڑنا کرے۔ ٹیکتی چری بعد میں نئی چری سے تبدیل ہو گیا۔

فوج کے سپہ سالار امیر علاؤ الدین نے شیخ بکماش کی بابرکت آستین کی یاد تازہ رکھنے کے لیے فوجیوں کے سروں کے عمامے پر شملے کا اضافہ کر دیا۔ بعد میں اس نوعیت کے عماموں کا رواج علماء اور فقہاء اور اعیان حکومت میں بھی پھیل گیا۔ سلطان محمود ثانی (۱۸۰۸ء - ۱۸۳۹ء) نے جب نئی چری کی مسلسل بغاوتوں اور خرابیوں سے تنگ آکر اس کا خاتمہ کر دیا تو یہ عمامہ بھی تبدیل کر دیا اور اس کی جگہ لال ترکی ٹوپی کو رواج دیا۔ البتہ شیخ بکماش کی آستین کی یاد تازہ رکھنے والے شملے کی جگہ ترکی ٹوپی کے اوپر پھپھندنے کا اضافہ کر دیا۔ بعض ارباب تحقیق یہ بیان کرتے ہیں کہ نئی چری کا سفید عمامہ اخی تحریک کا شعار تھا۔ یہ تحریک اناطولیہ کے ترکوں کے اندر بھائی چارہ اور اتحاد پیدا کرنے کے لیے علماء اور صوفیاء نے جاری کی تھی۔ عثمان خاں بھی اس کا ایک رکن تھا۔ یہ تحریک اُس دور کی صحیح اسلامی تحریک تھی جس نے مسلمانوں کے اندر جہاد کی رُوح بھونکی۔ غازی عثمان خاں تحریک کے سفید عمامے یا سفید ٹوپی کو نئی چری کا سر پوش قرار دیا۔ بہر حال سلطان محمود ثانی کے بعد حملے کے بجائے لال ترکی ٹوپی جاری ہوئی جسے ہمارے ہاں فیض کیپ (صحیح نام ہے فاس کیپ) کہا جاتا ہے۔ ۲۵ نومبر ۱۹۳۵ء کو مصطفیٰ کمال نے ایک قانون جاری کر کے ترکی ٹوپی کو ممنوع قرار دے دیا اور ہیٹ پہننے کا حکم دے دیا۔ اب سمجھ میں آ گیا کہ محمد نجاتی کے نزدیک سر پوش کا مسئلہ کیوں نازک اور جذباتی ہے۔

اپنی روایتی ٹوپی سے ترکوں کے لیے دست بردار ہو جانا آسان نہ تھا۔ یہ ایک گول، بے کنارہ اور تقریباً مخروطی ٹوپی تھی۔ نماز ادا کرنے وقت سجدے میں کوئی زحمت نہیں ہوتی، اور پیشانی بے تکلف زمین پر رکھی جاسکتی ہے۔ انا ترک کی رائے تھی کہ یہ قدیم اسلامی رواجوں کا نشان ہے اور وہ ترکوں کو ایسے نشانوں سے الگ کرنے پڑتا ہوا تھا۔ پھر وہ اور چند افسر فلسطینی گئے جسے قدامت پسندی میں خاص شہرت حاصل تھی۔ خود اُس نے اور اُس کے ساتھیوں نے ہیٹ پہن رکھے تھے۔ انا ترک نے خوف زدہ اہل شہر سے کہا: دیکھو، میں تمہارے لیے عمدہ نچھے لے کر آیا ہوں۔ یہ ہیٹ ہیں اور ترکی ٹوپی کے مقابلے میں دھوپ اور بچاؤ کا بدرجہا بہتر ذریعہ ہیں۔ اس اعلان کے بعد یہ نچھے زبردستی لوگوں کے سروں پر ٹھونسنے کا حکم جاری ہوا۔

انا طولیہ میں ہیٹ پہن لینے کا مطلب یہ سمجھا جاتا تھا کہ مذہب چھوڑ دیا ہے۔ سالوں تک حکومت کی پرکھنڈا نشینری یہ ثابت کرتی رہی کہ ترکی ٹوپی حقیقتاً ترکی نہیں ہے بلکہ اہل و عیال سے لی گئی ہے تاکہ غیر موزوں اور بوجھل دستار کی جگہ لے سکے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ روپے اور طاقت کے بے پناہ استعمال کے باوجود انا طولیہ کا یہ ترک جو مجھ سے متعارف بھی نہیں تھا ہیٹ اور فوجی سررویش سے بے پناہ نفرت کا اظہار کر رہا تھا۔

آنا ترک کے مجھے انقرہ اور استنبول میں آنا ترک کے مجھے دیکھ کر میں سمجھتا تھا کہ یہ صرف شہر دن تک محدود ہیں، مگر انقرہ سے لے کر تونیس تک ڈیڑھ سو میل کے سفر کے دوران کوئی قابل ذکر جگہ ایسی نہ تھی جہاں آنا ترک کا مجتہم نصب نہ ہو۔ کہیں کسی سیاہ رنگ کی دھات کا مجتہم اور کہیں پتھر کا۔ بلا مبالغہ یہ مجتہم سینکڑوں ہونگے اور خدا معلوم "جمہوریہ ترکیہ" کے خزانے میں سے عوام کی "بہبود" کے لیے ان مجتہموں پر کتنا روپیہ صرف کیا گیا ہوگا۔ میں تو صرف ڈیڑھ سو میل کے ایک ٹکڑے کی بات کر رہا ہوں۔ انا طولیہ کی دوسری ٹرکوں کی حالت کیا اس سے مختلف ہوگی؟ میں نے اپنے رفیق محمد نجاتی سے اس پر اپنی حیرت کا اظہار کیا نجاتی صاحب نے بتایا کہ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ آنا ترک نے اس پورے علاقے میں تحریک آزادی کی قیادت کی ہے۔ اور ۱۹۳۷ء تک وہ کامیاب غازی کی حیثیت سے متعارف رہا ہے۔ اس لیے اس خطے میں شروع شروع میں اُسے خوب مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جس فوجی جنرل کو آنا ترک نے اس علاقے کا گورنر بنایا تھا وہ سخت مغرب زدہ اور آنا ترک کا زبردست حامی اور معتقد اور وفادار تھا۔ یہ مجتہم اسی نے جگہ جگہ نصب کروائے ہیں۔

محمد نجاتی صاحب سے یہ بھی پتہ چلا کہ غازی آنا ترک نے اپنے مجتہم ترشوانے کے لیے خاص طور پر جرمنی کے مجتہم سازوں کی خدمات حاصل کیں اور متعدد قومی سپیکل مجتہم تراش کر تمام شہروں میں نصب کیے گئے اور انہیں سلامی دی گئی۔ یہ اس امر کا اعلان تھا کہ ترکی فنون لطیفہ کو ترقی دے رہا ہے۔ عثمانیوں نے صرف فن تعمیر یا کتابوں کی جلد سازی پر توجہ دی تھی (حالانکہ یہ غلط ہے) اور ہم اس میں ہمہ جہت ترقی کر رہے ہیں۔ نیز ترکی کے مذہب پرست عناصر پر یہ واضح کر دینا مقصود تھا کہ جدید ثقافت اسلام کے اس نظر پر کہ تسلیم نہیں کرے گی کہ بت تراشی اور بت پرستی حرام ہے۔ ۱۹۵۰ء کے بعد جب عدنان مندیں



برسرِ اقتدار آیا تو لوگوں نے یکایک ان محبتوں پر حملہ کر دیا اور ان میں سے کئی ایک توڑ ڈالے یا ان کی قہرین کی۔ اس پر حکومت کو محبتوں کے احترام کے لیے خاص قانون نافذ کرنا پڑا جو اب تک نافذ عمل ہے۔ قونیہ کے راستے میں جہاں جہاں آبادیاں ہیں مسجدیں بنی ہوئی ہیں۔ جب ظہر کی نماز کا وقت آیا تو ڈرائیو نے ایک ایسے مقام پر بس روک دی جہاں مسجد شکر کے بالکل قریب تھی۔ بس کے بعض مسافروں نے ہمارے ساتھ مل کر مسجد میں نماز ادا کی ہیں نے دیکھا کہ ترک ہر نماز کے لیے وضو کرتے ہیں اور جرابوں پر مسح نہ خود کرتے ہیں، نہ دوسرے کے مسح کرنے کو پسند کرتے ہیں۔ سخت سردی کے اندر یخ بستہ پانی سے وضو کریں گے مگر جرابوں پر ہرگز مسح نہ کریں گے، خواہ وہ کتنی ہی موٹی کیوں نہ ہوں۔ عصر کی نماز بھی ہم نے راستے ہی میں ادا کی مغرب سے ایک گھنٹہ قبل ہم قونیہ میں داخل ہوتے۔

قونیہ میں داخل ہونے سے پیشتر یکایک نگاہیں ایسی قدیم عمارت پر پڑتی ہیں جو استنبول کی تاریخی عمارت سے بڑی حد تک مختلف ہیں۔ یہ سلجوقی عمارت ہیں۔ اپنے زمانے میں یہ سرائیں تھیں یا اسلامی مدرسے تھے۔ سلجوقیوں کے دور میں شہر کے ارد گرد نگرانی کے لیے بلند برج بنے ہوئے تھے جن پر چوکیدار پہرہ دیتے تھے۔ شہر کے ارد گرد فصیل بنی ہوئی ہے جس میں داخلے کے دروازے تنگ ہیں۔ بسوں کے اڈے میں اتر کر ہم پیدل چلتے رہے اور قونیہ کی نوری تحریک کے ایک ممتاز کارکن کی بیکری میں چلے گئے۔ مغرب کے بعد مولانا روم کا مزار بند ہو جاتا ہے اس لیے ہمارے میزبان نے تجویز کیا کہ مولانا کی قبر پر فاتحہ پڑھ لی جاتے اور ان کا عجاوب گھر دیکھ لیا جاتے۔

ترتیب رومی | مزار کے زائرین کی اکثریت یورپی سیاحوں پر مشتمل تھی۔ اور وہ روحانی عقیدت کے اظہار کے بجائے فن تعمیر اور تاریخی آثار و تبرکات میں منہمک رہے۔ مولانا روم کی قبر، ان کے والد، اور ان کے خلفاء، اور دوسرے سلجوقی بزرگوں کی قبریں بہت وسیع و عریض عمارت کے اندر ہیں جس کے پہلوؤں میں حجرے بنے ہوتے ہیں۔ بیرونی صدر دروازے کی پیشانی پر یہ الفاظ کندہ ہیں: "حضرت مولانا" شکر جب مولانا کہیں گے تو اس سے ان کا اشارہ مولانا رومی کی طرف ہو گا اور مولوی سے ان کی مراد مولانا رومی کے مریدین ہوتے ہیں۔ مولانا رومی کے سلسلہ تصوف کو طریقہ مولویہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

علماء کے لیے ترک مولانا یا مولوی کے لفظ کے بجائے "حضرت" کہیں گے۔ چنانچہ میں پورے قیام ترک میں حضرت مولوی کا لفظ سنتا رہا ہوں۔ جیسے سعودی عرب میں شیخ مولودوی۔

تعلیمات رومی اور انجی تحریک | حضرت علی ہجویری نے جس طرح تعلیم و تزکیہ اور دعوت و ارشاد کی مہم جاری کی تھی اسی طرح مولانا رومی نے بھی اپنے عہد میں اصلاح و تربیت کی تحریک چلائی۔ مگر پیروکاروں نے مروجہ زمانہ سے دونوں بزرگوں کے بارے میں عقیدت کے جذبات تو مبالغہ کی حد تک دکھائے مگر اصل دعوت کو فراموش کر دیا۔ مولانا روم کی عنوی جسے بہت قرآن و زبان پہلوی، کہا گیا، کیا ہے؛ ایک دفتر بے پایاں ہے جس میں اسلامی اخلاق، روحانی اوصاف، معاشرتی آداب، حکمت قرآن، حکیمانہ طرز اصلاح، جبار و قتال، فرائض حکمرانی، دنیا پرستی سے نفرت، صحیح علم، حقیقی معرفت، مقام عبودیت اور حقیقت توحید کا درس دیا گیا ہے۔ مولانا روم کی یہ تصنیف اس ماحول کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے جب اناطولیہ میں سلجوقی سلطنت دم توڑ رہی تھی، تاتاری طوفان مشرقی اناطولیہ میں داخل ہو چکا تھا۔ سلجوقی امراء آپس میں دست و گریباں تھے۔ اور مختلف امراء نے اپنی چھوٹی چھوٹی مستقل ریاستیں قائم کر لی تھیں جن کی تعداد تک پہنچ چکی تھی۔ سلجوقیوں کے بعد اُبھرنے والی نئی اسلامی طاقت (ترکان عثمانی)، ابھی میدان کار میں نہیں آئی تھی۔ اس داخلی سیاسی انتشار کے ہوتے ہوئے تاتاری طوفان کی ملیغار نہ صرف مولانا رومی کو پریشان کر رہی تھی بلکہ ہر بہی خواہ ملت سر اسیمبلی میں مبتلا تھا۔ تاتاری حملوں سے ترکان اناطولیہ کو زبردست جانی، مالی اور روحانی نقصان پہنچ رہے تھے۔

مولانا رومی نے اپنے حکیمانہ مراعط سے اناطولیہ میں جو اثرات چھوڑے انہیں کے نتیجہ میں بعد میں انجی تحریک کے نام سے اسلامی اتحاد کی زبردست تحریک برپا ہو گئی۔ صوفی سرداروں نے مذہبی رنگ دینے کے لیے انجی کا نام دیا۔ علماء اور صوفیاء کرام نے اس کے ذریعہ لوگوں میں اخلاقی اور روحانی اقدار کو سیدھا کرنے کی مہم چلائی۔ سلجوقی زوال کے بعد یہ تحریک پورے اناطولیہ میں پھیل گئی اور اس نے سماجی اور اقتصادی تنظیم کی شکل اختیار کر لی۔ عثمان خاں نے بھی اس میں شرکت کی۔ اس تحریک کے لوگ خود محنت کرتے، دوسروں کی مدد کرتے اور راہِ خدا میں تاتاریوں کے خلاف جہاد کرتے۔ اس تحریک کے باعث اترک روم میں جان

پڑ گئی اور عوام اناس کے مایوسی کے خیالات قہم ہو گئے۔ انقرہ کے علاقوں میں اس تحریک کی حکومت قائم ہو گئی۔ غازی عثمان خان اس تحریک کا ایک رکن تھا۔ بعد میں جب عثمان خان نے عثمانی سلطنت کی بنیاد رکھی تو اس تحریک نے اس کے قیام میں نمایاں حصہ لیا۔ بلکہ تحریک کے زیر اثر علاقے عثمانی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ اس عظیم الشان کارنامے کو نظر انداز کر کے مولانا رومی کی تعلیمات کو وجد و سماع اور رقص و نغمہ کی دعوت کہنا صحیح نہیں ہے۔ دمشق اور قونیہ میں مولوی طریقہ کے درویش آج تک جو رقص کرتے چلے آ رہے ہیں وہ ان کی اپنی ایجاد ہے۔

رومی عجائب گھر مولانا روم کی قبر کی ساخت میں بھی اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ سراونچا ہو اور پانچویں کا رخ پست رہے۔ تمام قبریں ریشمی غلافوں سے مستور ہیں اور ان پر سونے چاندی کے تاروں سے قرآن کریم کی آیات اور بیل بٹے کڑھے ہوتے ہیں۔ تمام قبروں کے سر پر علمے رکھے ہوتے ہیں۔ جن کے ٹھلے نیچے لٹک رہے ہیں۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے اس کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے بتایا کہ یہ دور جہاد کا رواج ہے۔ صوفیاء، علماء اور مجاہدین اپنے کفن کا کپڑا عماموں کی شکل میں سر پر باندھے رکھتے تھے۔ مگر مرنے کے بعد ان کے ورثاء اسے کفن کے طور پر استعمال کرنے کے بجائے قبر کے اوپر رکھ دیتے تھے۔ راقم الحروف نے دمشق میں غازی صلاح الدین ایوبی کی تربت پر بھی غازی کا عمامہ اسی حالت میں رکھا ہوا دیکھا ہے۔ یہ تربت جامع اموی کے پہلو میں واقع ہے۔ مولانا رومی کی تربت کے پاس ہر وقت میوزک بجا رہتا ہے۔ بجانے والا نظر نہیں آتا۔ ممکن ہے ٹیپ ریکارڈر سے یہ خدمت لی جاتی ہو۔ اس میوزک میں مولانا رومی کی مثنوی کہ بڑی سُر ملی اور وجد آور دھنوں میں ڈھال کر اندرونی ماحول کو مسحور کیا جاتا ہے۔ مقبرے کی ساخت اور اندرونی اور بیرونی نقوش کی ہم آہنگی بھی بڑی دل آویز ہے۔ مولانا روم کا مقبرہ سلجوقی سلطان علاؤ الدین کی قبعا د نے تعمیر کروایا تھا۔

محققہ مجرے عجائب گھر کا کام دے رہے ہیں۔ پہلے یہ درویشوں کے مطالعہ و مراقبہ کے لیے وقف تھے۔ ایک چھوٹی سی مسجد بھی اندر ہی بنی ہوئی ہے۔ ایک بڑا سا صحن بھی ہے جس میں وجد و رقص کی محفلیں جیتی چلی آرہی ہیں۔ مولانا روم کا خود نوشت مثنوی کا نسخہ، مثنوی کی شروح، مولانا کے اپنے

اور خلفاء کے جسے ہزاروں تسمیوں، قرآن کریم کے قدیم نسخے جن میں ایک نسخہ ایک ہزار سال پرانا مختلف  
ہو رقص کے دوران بجائے جاتے تھے، الفرض فرقہ مولویہ سے متعلق بہت کچھ اس عجائب گھر میں موجود  
ہے۔ عقیدت مندوں کا یہ حال ہے کہ میں نے ایک صاحب کو عین مولانا کی قبر کے سامنے نماز پڑھتے دیکھا  
اگرچہ قبیلے کا رخ بھی اسی طرف تھا۔ قبر کے سامنے سرسبز و فرقہ مراقبہ بہت لوگوں کو دیکھا۔ اور نکلے وقت  
مسٹر کمال الدین نے مجھے اشارہ کیا کہ فارسی شعر کا یہ کتبہ بھی پڑھ لیں جو دیوار پر آویزاں ہے۔ وہ شعر  
تو مجھے پورا یاد نہیں رہا۔ مگر اس کا مفہوم یہ ہے کہ "مولانا کی قبر کا ایک طواف سات ہزار سات سو  
ستر عجوبوں کے ثواب سے بہتر ہے"۔ یہ سب بے جا عقیدت۔

مولانا رومہ کے مزار سے متصل ہی جامع سلیمیہ ہے۔ مزار سے نکلے اور مغرب کی نماز کے لیے جامع سلیمیہ  
چلے گئے۔ جامع سلیمیہ سلطان سلیم ثانی (۱۵۶۶-۱۵۷۴ء) نے بنوائی تھی۔ دو میناروں والی یہ انتہائی  
خصوصیت مسجد قونیہ کے اندر عثمانی فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ اور اسی عظمت و شکوہ کی حامل ہے جو  
استنبول میں اسی نام سے اس عظیم سلطان کی یادگار ہے۔ ان دونوں کا معیار بھی ایک ہے، وہ ہے شان  
پاشا جسے عثمانی فن تعمیر کا موجد اور رُوح کہا جاتا ہے۔ ترکی کی مشہور مسجدیں اور قصر اسی کے کمال فن کا مظہر ہیں۔  
مسجد میں حاضری خوب تھی۔ اور یہ شکر دور ہو گیا کہ رمضان کے بعد لوگ مسجد کا رخ نہ کریں گے۔

مورچ نور اشب باشی زوری تھریک کے ایک انتھک کارکن حسن صاحب کے ہاں طے ہوتی۔ نماز عشاء  
کے بعد ان کے مکان پر انخوان نور کا بہت بڑا اجتماع منعقد ہو گیا۔ دو سقوں نے بتایا کہ وقت کم ہونے  
کی وجہ سے تمام اجاب کو اطلاع نہیں ہو سکی ورنہ حاضری دو گنی ہوتی۔ یہ سب لوگ چیدہ اور نمایاں  
ہیں۔ تعارف سے معلوم ہوا کہ اکثریت اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کی ہے۔ ان کے روشن اور دکھتے چہرے  
ایمان و اخلاص کی سبب بولتی تصویر تھے اور نور علی نور کی شان جلوہ گر تھی۔ گفتگو کے لیے میرے ترجمان  
آیدین کے ایک رفیق کو منتخب کیا گیا جو نہایت شہتہ اور رواں عربی بولتے تھے اور قونیہ کے ہائر اسلاک  
انسٹی ٹیوٹ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ آیدین وہی شہر ہے جہاں عدنان مندریس مرحوم پیدا ہوئے۔  
حاضرین میں عربی زبان جاننے والوں کی تعداد بھی کافی تھی۔ اس کا اندازہ مجھے ان سوالوں سے ہوا جو متعدد

لوگوں کی طرف سے عربی زبان میں کیے گئے۔

مجھ سے مطالبہ کیا گیا کہ میں جماعت اسلامی کی دعوت اور طریق کار پر مفصل روشنی ڈالوں۔ اس موضوع پر گوہ میں استنبول اور انقرہ میں اخوانِ نور کے اجتماعات میں تقریریں کرتا رہا ہوں، مگر قونیہ میں کچھ زیادہ ہی اس بارے میں تشنگی اور طلب کا اظہار کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ قونیہ خالفتہ مشرقی شہر ہے اور استنبول و انقرہ کی نسبت یہاں کے ماحول پر اسلامی روایات کی چھاپ زیادہ مضبوط اور گہری ہے۔ اس لیے یہاں تحریر کی جوش و خروش بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔ صالح اور جان مجھے پہلے باخبر کر چکے تھے کہ از میر کے بعد ہماری دعوت کا دوسرا مضبوط مرکز قونیہ ہے۔ میں نے جماعت کی دعوت کے چاروں نکات بیان کیے۔ اور بتایا کہ ان میں سے ہر ہر نکتہ پر اب تک کس حد تک کام ہو چکا ہے اور اُسے بروئے کار لانے کے لیے کیا کیا وسائل اختیار کیے گئے ہیں۔ کوشش کی کہ اختصار تو ہو مگر بات ادھوری نہ رہے اور اکتا دینے والی طوالت سے بھی بچوں۔ باقی تحریک کی سوانح حیات اور جماعت کی تاریخ بھی بیان کی۔ جماعت نے زندگی کے مختلف گوشوں میں جو کچھ جدوجہد کی ہے اس کی کسی حد تک وضاحت کر دی۔ اس طرح کے مواقع بہت کم نصیب ہوتے ہیں۔ راقم الحروف نے پوری کوشش کی کہ یہ حضرات ہماری دعوت، نصب العین اور طریق کار سے کم از کم بنیادی طور پر واقف ہو جائیں۔ یہ ایک فرض ہے جیسے ادا کرنا ترکی کی اسلامی تحریک اور پاکستان کی اسلامی تحریک دونوں کا مشترک تقاضا ہے۔ اس اجتماع میں یہ سوال خاص طور پر کیا گیا کہ جماعت نے خواتین کے حلقے میں کیا کام کیا ہے اور کیسے؟ استنبول و انقرہ میں میں نے اس پہلو پر دو چار نقطوں میں اظہارِ خیال کیا تھا مگر یہاں تفصیل طلب کی گئی اور جواب بھی تفصیل کے ساتھ دے دیا گیا۔ سائل نے جواب سن کر کہا کہ قونیہ میں بعض نوری خواتین بڑا قابلِ رشک دعوتی کام کر رہی ہیں اور ترکی کی مشہور واعیۃ اسلام شعلہ یوکسل نے قونیہ کے بار بار دورے کر کے یہاں کی خواتین میں بیداری کی لہر دوڑادی ہے۔ یہ سن کر طبیعت میں بڑی مسرت پیدا ہوئی۔ محمد اللہ علی ذالک۔ (باقی)

لہ شعلہ یوکسل کے بار میں کھپتی مسلوں میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ لیکن اب تازہ اطلاع یہ ملی ہے کہ موصوفہ کو از میر کی فوجداری عدالت میں پیش ہو گا حکم دیا گیا ہے کیونکہ انہوں نے بندرہ شہر میں اسلام میں عورت کے فرائض کے موضوع پر تقریر کی ہے تقریر کے فوراً بعد ہی بندرہ کے ڈپٹی کمشنر نے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیے اور پولیس انہیں گرفتار بھی کرنے لگی مگر عوام کے جن غمغینے موصوفہ کو گرفتار نہیں کرنے دیا۔ دراصل ملک کے طول و عرض میں شعلہ نے تقریبوں کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور ہزاروں روادار خواتین اس کا متاثر ہو رہی ہیں اُسے روکنا مقصود ہے۔